شاہ ولی اللہ اور مقامِ احسان

ڈاکٹر سعید اللہ قاضی

حضرت شاہ ولی اللہ کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں ہے۔ انھوں نے برِصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کی اصلاح اور ان کی فکر میں مثبت تبدیلی لانے کی جو کوششیں کیں، ان میں سے ایک کوشش مروجہ طرق تصوف میں اصلاح کی کوشش ہے۔ وہ تصوف کی تعریف، اس مقامِ احسان سے کرتے ہیں جس کا ذکر مشہور حدیث جبریل ؑ میں ہوا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور حضرت جبریل ؑ نے اس کی تصدیق کی کہ احسان یہ ہے: تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ تم اسے دیکھ رہے ہو کیونکہ اگرچہ تم اسے نہیں دیکھ سکتے، وہ تمھیں دیکھ رہا ہے (مسلم)۔ یعنی انسان کی سوچ اس طرح بن جائے کہ خدا تعالیٰ کو ہر وقت اور ہر جگہ حاضر و ناظر دیکھے۔

احسان کے پہلو

شاہ صاحب ؒ فرماتے ہیں کہ مقامِ احسان پر فائز ہونے کے لیے انسان کو چاہیے کہ ہر وقت خدا کے حضور اپنی عاجزی، محتاجی اور بے بسی کو جانے اور اس کا اظہار کرے، خدا کی بڑائی ہر وقت اس کی نظر میں رہے۔ رذائلِ بشریہ سے ہر وقت اجتناب کرنے کی کوشش کرے، دنیا کو مقصدِ زندگی نہ بنالے بلکہ ایک اعلیٰ مقصد یعنی احسان کے حصول کا ذریعہ سمجھے۔

انسان میں یہ فکر اور سوچ پیدا کیسے کی جائے؟ اس کے لیے انھوں نے نبی کریم ؐ کی اس حدیث کو بنیاد بنایا ہے کہ ایک ساعت کی سوچ بچار ساٹھ سال کی بلاغور و فکر عبادت سے بہتر ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب کے ہاں سوچ و بچار اور تفکر و تدبر کی کئی قسمیں ہیں، اور ہر ایک قسم مقامِ احسان کے حصول میں ممد و معاون ہے۔ وہ خدا کی ذات کے بارے میں غور و فکر سے لوگوں کو روکتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ انسان کی استعداد سے باہر کام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ خدا کی نعمتوں اور اس کی صفات علم و قدرت اور حکمت و رحمت میں تفکر و تدبر کیا کرو۔ خدا کی ذات کو تفکر و تدبر کا موضوع نہ

بتاؤ۔ اس قسم کے تفکر و تدبر کو وہ مراقبہ کہتے ہیں۔ جو لوگ مراقبہ کرنا چاہیں' انھیں وہ درج ذیل طریقوں کی تعلیم دیتے ہیں۔

۱۔ آیات اور احادیث پر توجہ مرکوز کرنا اور ان کا مسلسل ورد : بعض آیات اور احادیث حسب ذیل ہیں:

وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ، وہ تمھارے ساتھ ہے' جہاں بھی تم ہو۔ (الحدید ۵۷:۴)

وَمَا يَعْزُبُ عَن رَّبِّكَ مِن مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا أَصْغَرَ مِن ذَٰلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ، کوئی ذرہ برابر چیز آسمان اور زمین میں ایسی نہیں ہے' نہ چھوٹی نہ بڑی' جو تیرے رب کی نظر سے پوشیدہ ہو اور ایک صاف دفتر میں درج نہ ہو۔ (یونس ۱۰:۶۱)

إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (البقرہ ۲:۲۰)

وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ، ہم اس (انسان) کی رگ گردن سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں (ق ۵۰:۱۶)

وَعِندَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِن وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ، اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جنھیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ بحر و بر میں جو کچھ ہے سب سے وہ واقف ہے۔ درخت سے گرنے والا کوئی پتا ایسا نہیں جس کا اسے علم نہ ہو۔ زمین کے تاریک پردوں میں کوئی دانہ ایسا نہیں جس سے وہ باخبر نہ ہو۔ خشک و تر سب کچھ ایک کھلی کتاب میں لکھا ہے۔ (الانعام ۶:۵۹)

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ، وہ اپنے بندوں پر کامل اختیارات رکھتا ہے۔ (الانعام ۶:۱۸)

ان آیات کے معانی اور ان کے مفہوم پر اچھی طرح غور کرے اور دل میں بٹھائے لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی مخلوق کے ساتھ تشبیہ کا اس ضمن میں ہرگز دخل نہ ہو۔ فقط اس بات کا استحضار کرے کہ اللہ تعالیٰ ان صفات عالیہ کے ساتھ موجود ہے۔

اس تفکر و تدبر کے لیے آدمی ایسا وقت منتخب کرے جس میں اس کو کسی چیز کا خیال نہ ستا رہا ہو نہ تو اس کو حوائج ضروریہ سے فراغت کی فکر لاحق ہو' نہ وہ بھوکا اور پیاسا ہو' وہ غصے کی حالت میں بھی نہ ہو۔ اور نہ ہی نیند اس پر غلبہ کر رہی ہو۔ گویا اس کا دل ہر قسم کی پریشانی اور خیال سے خالی ہو۔

ان آیات کے علاوہ اس دعاے ماثور کا ورد اور اس پر غور و خوض بھی مراقبہ کا حصہ ہے: اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ، اے اللہ جو تو دے اس کا کوئی روکنے والا نہیں اور جو تو روکے اس کا کوئی دینے والا نہیں' اور کسی مال دار کو تیرے عذاب سے اس کی مال

داری نہیں بچاسکتی۔ (بخاری)

۲۔ ذکر اللہ: تفکر وتدبر کے ساتھ ذکر اللہ بھی انتہائی ضروری ہے۔ آپ کا ارشاد ہے: ذکر اللہ کے سوا دوسری باتیں زیادہ نہ کیا کرو کیونکہ اس سے سنگ دلی پیدا ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ سے بعید ترین چیز قلب قاسی (وہ دل جو رحم سے خالی ہو اور کسی اچھی بات کا اثر قبول نہ کرے) ہے۔ انسان جب اللہ کو یاد کرتا ہے تو اس کے دل سے مختلف قسم کے پردے ہٹ جاتے ہیں اور اس کی کیفیت یہ ہو جاتی ہے کہ گویا وہ اللہ تعالیٰ کو چشم سر سے دیکھ رہا ہے۔ انسان جب دنیاوی لذات میں مشغول ہوتا ہے تو وہ اللہ کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے۔ اور اس طرح اس کے اور اللہ کے درمیان ایک حجاب حائل ہو جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ دوزخ کی آگ ہے۔ اسی غفلت سے ہر برائی جنم لیتی ہے۔ یہی ہلاکت اور بربادی ہے۔ اور جب یہ سلسلہ دیر تک چلتا رہتا ہے تو بندے کے لیے نجات کا راستہ بند ہو جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہلاکتوں اور بربادیوں سے بچنے کا جو مکمل علاج تجویز کیا ہے وہ ہے مسنون طریقے سے ذکر اللہ۔ وہ اذکار حسب ذیل ہیں:

تسبیح: یعنی سبحان اللہ۔ تحمید: الحمدللہ۔ آپ نے فرمایا:

الحمدللہ شکر کی بنیاد ہے' اور شکر کا اظہار تین طرح ہوتا ہے۔ (۱) زبان سے اللہ تعالیٰ کی مدح اور تعریف۔ (۲) دل سے اللہ تعالیٰ کے انعام و اکرام کا اعتراف' اور (۳) اعضا اور جوارح کا اس کے احکام کے مطابق استعمال۔

تیسرا ذکر "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" کا ہے جس سے شرک جلی اور خفی کی نفی ہوتی ہے۔ اس طرح اس کے ذریعے وہ حجابات دُور ہو جاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی معرفت کی راہ میں حائل ہوتے ہیں۔ یہ کلمہ اس طرح بھی ہے: "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِیْکَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْکُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر"۔

چوتھا کلمہ "اَللّٰهُ اَکْبَر" ہے۔ آپ فرماتے ہیں یہ کلمہ زمین اور آسمان کے درمیان کو بھر دیتا ہے۔

دعا بھی تفکر وتدبر اور خدا کے ساتھ تعلق قائم کرنے میں بہت بڑا کردار ادا کرتی ہے اور جیسا کہ ہم جانتے ہیں' عزت اور ذلت' موت وحیات' بادشاہی اور گدائی' ضرر اور نقصان صرف اور صرف خدائے لم یزل کے ہاتھ میں ہے۔ جس کا اظہار "لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰه" سے اچھی طرح ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قاضی الحاجات' شافی الامراض' دافع البلیات اور مجیب الدعوات جیسے کلمات سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا مومن کے ایمان کی علامت ہے۔

اذکار مسنونہ میں سے ایک استغفار بھی ہے: اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّ اَتُوْبُ اِلَیْهِ۔

ایک ذکر اسماء حسنیٰ کا ہے: یا ارحم الراحمین' یا ذوالجلال والاکرام' یا حیّ' یا قیوم' یا ستار' یا غفار۔

درود بھی ذکر ہے: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِہٖ وَعِتْرَتِہٖ بِعَدَدِ کُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّکَ۔

۳۔ افعال الٰہی میں تفکر و تدبر / تذکیر بآلاءِ اللّٰہ: تفکر و تدبر کی ایک اور قسم افعال الٰہی ہیں۔ قرآن نے بڑی تفصیل سے ان کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً آسمانوں اور زمین کی تخلیق پر غور' دن اور رات کے آنے جانے اور گھٹنے بڑھنے اور ان کی افادیت پر غور و فکر۔ اس عمل سے انسان کے دل میں یہ بات اتر جاتی ہے کہ یہ سب کچھ بلامقصد پیدا نہیں ہوا۔ کائنات کے بارے میں قرآن پاک کی آیات کی تعداد ۷۵۶ ہے جو آسمانوں اور زمین' سورج اور چاند' ستاروں' درختوں' جانوروں' سمندروں وغیرہ کے بارے میں ہیں۔ یہ انسان کے تفکر و تدبر اور غور و فکر کا موضوع ہونا چاہییں۔

۴۔ تفکر و تدبر فی ایام اللّٰہ: ایام اللہ سے مراد وہ واقعات ہیں جن کا ذکر قرآن پاک نے کیا ہے اور جن میں قوموں کے عروج و زوال کے اسباب بیان ہوئے ہیں۔ ان سے آدمی کو یہ سبق ملتا ہے کہ ماضی میں بعض اقوام کن وجوہات کی بنا پر صفحہ ہستی سے مٹ چکی ہیں' اگر وہ ہم میں بھی پیدا ہوں تو ہمارا بھی صفحہ ہستی سے مٹنا یقینی ہے اور ماضی میں بعض اقوام کن وجوہات کی بنا پر ترقی سے ہمکنار ہوئی ہیں' وہ اگر ہم میں پیدا ہوں تو ہم بھی ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکتے ہیں۔

۵۔ تفکر و تدبر فی الحیاۃ بعد المماۃ: اس کے بعد شاہ صاحب موت اور موت کے بعد کے حالات کے بارے میں تفکر و تدبر کی ترغیب دیتے ہیں' تاکہ انسان کو یہ بات ہروقت مستحضر رہے کہ اس دنیا کی زندگی عارضی ہے' ایک نہ ایک دن یہاں سے جانا ہے۔ اس دنیا کی ہرچیز کے ساتھ انسان کا تعلق ختم ہونا ہے' اس کے ساتھ صرف اس کا عمل باقی رہنا ہے۔ اگر اس کا عمل نیک اور اچھا ہے' تو اس ابدی زندگی میں خوش و خرم اور کامیاب ہو گا' اور اس کی شکل جنت کی صورت میں ہوگی اور اگر ساتھ رہنے والا عمل برا ہو گا تو وہاں اپنے برے اعمال کے نتائج سے دوچار ہو گا' جس کی عملی شکل دوزخ ہوگی۔

۶۔ تلاوت قرآن و فہم قرآن: شاہ صاحب قرآن پاک کی تلاوت اور اس کے فہم کی بہت زیادہ تاکید کرتے ہیں۔ یہ اس لیے کہ قرآن پاک اس تمام مواد کا منبع ہے جس پر غور و خوض اور تفکر و تدبر ہونا چاہیے۔ انھوں نے تلاوت قرآن اور اس کے فہم کے فضائل کے بارے میں بے شمار روایات نقل کی ہیں۔ انھوں نے آیۃ الکرسی' سورہ حشر کی آخری آیات اور سورہ اخلاص کے ورد پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔ تلاوت قرآن پاک سے کبھی بھی غفلت نہیں برتنا چاہیے۔ قرآن پاک ترتیل' خوش الحانی اور فہم کے ساتھ پڑھا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے ختم قرآن کے لیے کم ازکم مدت

تین دن مقرر کی ہے۔

۷۔ صاف اور خالص نیت: انسان جو کچھ بھی کرتا ہے اس کا دارومدار اس کی نیت پر ہے۔ اگر نیت صاف ہے تو اس کا عمل خدا کے ہاں مقبول ہے۔ انسان کے ہر عمل میں للبیت کا ہونا ضروری ہے۔ صحیح نیت اعمال کے لیے اس طرح ضروری ہے جس طرح بدن کے لیے روح۔ وہ کہتے ہیں کہ ریا اور دکھاوا انسانی عمل کی بربادی کے بہت بڑے اسباب ہیں۔ ریا درحقیقت شرک کی ایک قسم ہے۔
شاہ صاحب اس بات کے بھی قائل ہیں کہ جو شخص ایک عمل برملا اس ارادے سے کرتا ہے کہ لوگ اس سے سبق اور ترغیب حاصل کریں گے' تو یہ بڑے ثواب کا کام ہے 'مگر ایسا کرنے میں للبیت بہت ضروری ہے۔

۸۔ حسن خلق: شاہ صاحب کے تصوف میں حسن خلق کو بہت بڑی اہمیت حاصل ہے۔ مگر حسن خلق ہے کیا چیز؟ وہ کہتے ہیں کہ حسن خلق یہ ہے کہ انسان فیاض ہو' کسی پر ظلم اور زیادتی نہ کرے' عفو و درگذر سے کام لے' تواضع اور انکساری اس کا شیوہ ہو' کسی کے خلاف دل میں حسد نہ رکھے' کسی سے نفرت نہ کرے' بے جا غصے سے کام نہ لے۔ حسن خلق میں یہ بھی آتا ہے کہ انسان خدا کی ہر مخلوق کے ساتھ اچھا سلوک کرے' رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی اور محتاجوں کی حاجت روائی کرے' اور مفلس' لاچار اور معذور لوگوں کا خیال رکھے۔

۹۔ حفاظت زبان: خدا کے ساتھ تعلق کے قیام یا انقطاع میں زبان بہت بڑا کردار ادا کرتی ہے۔ اس لیے انھوں نے زبان کے مضر اثرات سے بچنے کی بڑی تاکید کی ہے۔ اس میں 'فضول گفتگو' یاوہ گوئی' جھوٹ' بہتان' غیبت' چغلی' گالی گلوچ' فحش کلام اور کسی کو برے ناموں سے پکارنا' یہ سب اعمال انسان کا تعلق نہ صرف خدا سے بلکہ انسان کا تعلق انسان سے بھی کاٹتے ہیں یا کمزور ضرور کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت نے ان سب سے بچنے کا حکم دیا ہے:

۱۰۔ خواہشات کی غیر شرعی تکمیل سے اجتناب اور زہد کا مفہوم: خدا کے ساتھ انسان کا تعلق توڑنے یا کمزور کرنے میں انسانی خواہشات کی بلا تامل تکمیل بھی بہت بڑا کردار ادا کرتی ہے۔ اس لیے شاہ صاحب نے ان کی تکمیل میں بہت احتیاط سے کام لینے کی تاکید کی ہے۔ اس کو وہ زہد مشروع کہتے ہیں مگر وہ کہتے ہیں کہ نفس کی جائز خواہشات کا ترک زہد نہیں' رہبانیت ہے۔ زہد یہ ہے کہ انسان شرع کے مطابق اپنے نفس کی جائز خواہشات کی تکمیل ضرور کرے' مگر نہ نفس کی غلامی کرے نہ اس میں اس قدر مشغول ہو کہ خدا کے ساتھ اس کا تعلق بالکل ختم یا کمزور ہو جائے۔ زہد غیر مشروع

یہ ہے کہ انسان اپنے اوپر حلال چیز حرام کرے یا اپنے مال کو ضائع کرے یا دنیا سے بالکل کنارہ کش ہو جائے۔ زہد مطلوب یہ ہے کہ جو کچھ بھی انسان کے پاس ہو اس کے مقابلے میں انسان کا بھروسہ خدا کے فضل و کرم پر ہو' اگر وہ کسی مصیبت کا شکار ہو جائے تو اس پر شور و فغاں نہ کرے بلکہ اس مصیبت کے بدلے جن جن انعامات کی خوش خبری دی گئی ہے ان پر زیادہ سے زیادہ خوش ہو۔

۱۱۔ قناعت: قناعت کا مفہوم ان کے نزدیک یہ ہے کہ انسان حرص اور لالچ جیسی منفی صفات کا مقابلہ کرے یا ان کے مقابلے میں جود و سخا سے کام لے۔ اگر انسان کسی کے مال کا لالچ نہ کرے اور وہ اس کو بن مانگے ملے تو اس کو رد کرنا یا نہ لینا قناعت نہیں ہے۔ ایک موقع پر آپ نے فرمایا: "اس میں کوئی شک نہیں کہ مال ایک محبوب اور من پسند چیز ہے مگر جو آدمی سیر چشم ہو اور اس کے پاس مال ہو تو اللہ تعالیٰ اس میں برکت ڈال دیتے ہیں اور جو لوگ اس کو حرص اور لالچ سے حاصل کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس میں برکت نہیں ڈالتے۔ اس لیے انسان لالچ اور سوال کسی حالت میں نہ کرے' اور نہ مال کے ساتھ دلی لگاؤ پیدا کرے۔ مال کی محبت جب کسی پر سوار ہو جاتی ہے تو اس کا تعلق خدا کے ساتھ بڑی مشکل سے قائم ہوتا ہے۔ مال کوئی بری چیز نہیں ہے' اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے' قرآن نے اس کو خیر اور فضل کہا ہے۔

۱۲۔ تکبر اور خود پسندی سے اجتناب: تکبر اور خود پسندی لوگوں کو حقیر جاننے کا سبب بنتے ہیں۔ جب نفس یہ عادت قبول کر لیتا ہے تو پھر یہ دوسرے لوگوں پر ظلم کرنے اور ان کو ذلیل سمجھنے میں کوئی پس و پیش نہیں کرتا۔ یہ فساد معاشرہ کا سبب بنتا ہے۔

۱۳۔ صبر: صبر ان اسباب کے تابع نہ ہونے کا نام ہے جن سے آرام یا پریشانی ہوتی ہو' یا اتباع خواہش نفسانی' تکبر اور قطع محبت پیدا ہوتی ہوں۔

۱۴۔ عدالت: عدالت میں گھر والوں کے ساتھ محبت' اہل محلہ کے ساتھ نیک برتاؤ' شہر والوں کے ساتھ حسن معاشرت' بزرگان دین کی توقیر و اکرام اور ہر ایک کے مرتبے کا لحاظ رکھنا وغیرہ شامل ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا ہے اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ، مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ کے مضر اثرات سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں۔ اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهٗ وَلَا يُسْلِمُهٗ مَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ اَخِيْهِ كَانَ اللّٰهُ فِي حَاجَتِهٖ. ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر زیادتی کرتا ہے اور نہ اس کو ظالم کے حوالے کرتا ہے جو آدمی اپنے مسلمان بھائی کی حاجت روائی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی کرتا ہے۔

یقین کا مفہوم اور اس کی اہمیت

ان تمام اہم امور کا احاطہ کرنے کے بعد شاہ صاحب یقین کی طرف آتے ہیں اور توحید' اخلاص ' توکل 'شکر 'انس اور ہیبت وغیرہ کو اس کے شعبے شمار کرتے ہیں۔

یقین اور ایمان دو مترادف الفاظ ہیں۔ عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت کے مطابق "یقین سراسر ایمان ہے"۔ شاہ صاحب کے ہاں یقین یہ ہے کہ آدمی اسلامی تعلیمات پر 'جن میں تقدیر' معاد' اور جزا و سزا پر بلاجھجک ایمان بھی شامل ہیں' اس طرح ایمان لائے جس کے بعد عقل کو اس میں فلسفے ڈھونڈنے کی ضرورت محسوس نہ ہو۔ اس کی فکری قوتیں ان عقیدوں کے تصور سے بھر جائیں۔ کسی اور چیز کے لیے ان میں گھسنے کی گنجایش نہ رہے۔ اس طریقے سے انسانی عقل کی تہذیب ہو جائے گی۔ جس کا نتیجہ انسانی نفس اور قلب کی تہذیب کی صورت میں ظہور پذیر ہو گا۔

انسان زندگی میں جن چیزوں سے عادتاً ڈرتا ہے' قلب اور نفس کی اس تہذیب کے بعد انسان کے دل میں ان کا کوئی خوف پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ جو کچھ اس کو ملنے یا پیش آنے والا ہے اس کو دنیا کی کوئی طاقت روک نہیں سکتی' اور جو کچھ اس کے مقدر میں نہیں ہے وہ اسے دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت بھی دینے پر قادر نہیں ہے۔

ایسا شخص اسباب کی ظاہری کثرت اور قوت سے بالکل خائف اور پریشان نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ اس کو یہ کامل یقین ہوتا ہے کہ عالمین میں تصرف صرف اللہ کی قدرت کاملہ کا ہے' اور صرف اسی کا ارادہ ہمیشہ اور ہر حال میں نافذ العمل رہتا ہے۔ اسباب محض عادی ہیں۔ ان کو بروئے کار لانا بے شک سنت اللہ ہے' مگر ان کی پشت پر ایک مسبب الاسباب (خدا) موجود ہے۔

یقین کے شعبے

۱۔ شکر: شکر یہ ہے کہ انسان کو یہ یقین ہو جائے کہ اس کے پاس جو کچھ ہے وہ سب اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے دیا ہے۔ ان کے حصول اور کسب میں اس کا کوئی بھی ذاتی کمال نہیں ہے۔ اس یقین سے اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت اور وابستگی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور ذاتی کمالات کے باوجود وہ خدا کی ہر نعمت کو اپنے آپ پر خدا کا احسان سمجھتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو سراپا محتاج اور عاجز سمجھتا ہے اور خدا کی حمد و ثنا میں ہر وقت مصروف رہتا ہے۔ ہر چھوٹی بڑی نعمت سے متعلق اس کی زبان پر ہمیشہ یہ کلمہ جاری رہتا ہے کہ "ھذا من فضل ربی" یا "وما بکم من نعمة فمن اللہ"۔

۲۔ توکل: توکل یہ ہے کہ انسان کا اللہ تعالیٰ کے تصرف کامل پر یقین اس قدر پختہ ہو جائے کہ اسباب ظاہری پر اس کا اعتماد بالکل اٹھ جائے لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسباب اور

مسبلت کا جو نظام قائم کیا ہے اس کو توڑنے کی کوشش نہ کرے۔ اسباب کو بروئے کار ضرور لائے اس لیے کہ یہ سنت اللہ میں سے ہیں مگر اسباب پر بھروسہ نہ کرے اور اسباب کی پشت پر ایک مسبب الاسباب کا وجود تسلیم کرے اور اسے اپنے ایمان کا ایک حصہ بنالے۔

۳۔ہیبت: ہیبت سے مراد انسان کے دل میں اللہ تعالٰی کی عظمت اور جلال کا یقین راسخ ہونا ہے جس کے بعد یہ تصور ہر وقت اور ہر حال میں اس کے دل میں جاگزیں ہو اور وہ اپنے آپ کو اس کے مقابلے میں ہیچ سمجھنے لگے۔

۴۔حسن ظن اور انس: ایک اور مفید نتیجہ "حسن ظن" ہے جس کو صوفیاے کرام کی زبان میں مقام انس کہتے ہیں۔ اللہ تعالٰی کے ساتھ حسن ظن انسان میں یہ استعداد پیدا کرتا ہے کہ اس کی رحمتیں اور مہربانیاں اس پر نازل ہوں۔ اور وہ پھر اس حدیث شریف کا عملی مصداق بن جائے کہ " انا عند ظن عبدی بی " میں اپنے بندے کے ساتھ اس کے ظن کے مطابق سلوک کرتا ہوں۔

۵۔تفرید: تفرید سے مراد یہ ہے کہ خدا کی یاد انسان کے قولے اور اکیہ پر اس طرح چھا جائے گویا کہ وہ اپنے رب کو اپنی آنکھوں سے برملا دیکھ رہا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دل میں برے خیالات کا آنا بند ہو جاتا ہے اور اللہ تعالٰی کی یاد بندے کے بوجھ کو اس کے کندھے سے اتار کر پھینک دیتی ہے۔

۶۔اخلاص: اخلاص یہ ہے کہ انسان کے ہر عمل میں للہیت پیدا ہو اور اس کا ہر عمل صرف اور صرف خدا کی خوشنودی اور رضا کے لیے ہو۔ ایسے فرد کو قرآن کی اصطلاح میں محسن کہتے ہیں۔ اخلاص سے انسان کے اندر عبادت کا ایک زبردست داعیہ پیدا ہو جاتا ہے 'جس میں ریا اور دکھاوے کی مطلق آمیزش نہیں ہوتی' یہاں تک کہ افعال عادیہ میں بھی پھر اخلاص ہی اخلاص نظر آتا ہے۔

احوال

شاہ صاحب اس کے بعد ان احوال کا ذکر کرتے ہیں جو یقین کے بعد ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض احوال کا تعلق عقل سے 'بعض کا قلب سے اور بعض کا نفس سے ہوتا ہے۔

حلاوت: ان احوال میں سے ایک عبادت اور دعا میں حلاوت کا محسوس ہونا ہے۔ آدمی نماز اس طرح پڑھے کہ اس کے دل میں نماز کے علاوہ کوئی اور خیال در نہ آئے۔ اسی طرح انسان ہر وقت محاسبے کی حالت میں رہے۔ آپ نے فرمایا: عقل مند وہ ہے جو اپنے نفس کے ساتھ محاسبہ کرتا رہے۔ اور نفس کو مطیع کرے اور آخرت میں فلاح پانے کے لیے نیک عمل کرے۔ اس کا طریقہ یہ ہے

کہ انسان روزانہ سونے سے پہلے اپنے نیک اور بد اعمال کا جائزہ لے۔

حیا: ان احوال میں سے ایک حیا ہے۔ اس کا تعلق نفس سے ہے۔ جب انسان کا دل اللہ تعالیٰ کے جلال اور کبریائی سے معمور ہوتا ہے اور وہ اس کو ہر وقت اپنے پاس مکمل یقین کے ساتھ موجود سمجھتا ہے تو وہ پھر ایسا کام نہیں کرتا جو اللہ تعالیٰ کے جلال اور کبریائی اور حاضر و ناظر ہونے کے عقیدے سے متصادم ہو مثلاً وہ پھر کسی بھی برائی کے قریب نہیں پھٹکتا۔ وہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے۔

شکر: احوال قلب میں سے ایک شکر ہے۔ ایمان اور یقین انسان کی عقل اور قلب پر اس حد تک غالب آ جائیں کہ وہ دنیا کے مصالح و مضار سے بے پروا ہو جائے اور ایسی چیزوں سے محبت کرے جن سے عام حالات میں محبت نہیں کی جاتی اور وہ یہ سب کچھ رضائے الٰہی کے خاطر کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ وہ اس روایت کا مصداق بن جاتا ہے کہ "الحب فی اللہ و البغض فی اللہ"۔

خشیت: قلب کے احوال میں سے ایک یہ ہے کہ آدمی اللہ کی عبادت کو باقی تمام چیزوں پر ترجیح دے اور اس کے دل میں خدا کا خوف اس قدر جاگزیں ہو کہ اس پر رونے اور کپکپی کی حالت طاری ہو جائے۔ آپ ؐ نے فرمایا: جو شخص تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے اور اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آتے ہیں۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو اپنے عرش کے سایے میں جگہ دے گا۔ یا جو آدمی خدا کے خوف سے تھوڑی دیر کے لیے روتا ہے۔ وہ دوزخ کی آگ سے محفوظ رہتا ہے۔

توبہ: ان احوال میں سے ایک توبہ ہے۔ انسان کمزور ہے' اس سے گناہ سرزد ہوتا ہے' لیکن گناہ کے سرزد ہونے کے بعد خدا کی طرف رجوع کرنا اور اپنے کیے ہوئے گناہ پر پشیمانی کا اظہار کرنا توبہ کہلاتا ہے۔ توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر مہربان ہے۔ لیکن ایک دفعہ توبہ کرنے کے بعد اس گناہ پر اصرار اللہ تعالیٰ کو ناراض کرتا ہے۔ انسان اگر صحیح معنوں میں اپنے گناہوں سے توبہ کرے تو اللہ کے ہاں شرک کے علاوہ ہر گناہ قابل معافی ہے۔

کتابیات

۱۔ قرآن پاک

۲۔ الطاف القدس ۔ شاہ ولی اللہ "

۳۔ انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ ۔ شاہ ولی اللہ

۴۔ انفاس العارفین ۔ شاہ ولی اللہ "

۵۔ حجۃ اللہ البالغہ ۔ شاہ ولی اللہ "

۶۔ الفوز الکبیر ۔ شاہ ولی اللہ "

۷۔ قول جمیل ۔ شاہ ولی اللہ "

۸۔ سطعات ۔ شاہ ولی اللہ "

۹۔ ہمعات ۔ شاہ ولی اللہ "

۱۰۔ شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ ۔ مولانا عبید اللہ سندھی

۱۱۔ اخبار الاخیار ۔ مولانا عبد الحق دہلوی